امالی غلام محمد: سہیل عمر کے اعتراضات کا جائزہ

اقبال طالب علم دین تھے یا عالم دین؟

اقبال اکادمی کے تمام محققین اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ اقبال عالم دین نہیں طالب علم دین تھے اور یہ کیفیت آخر تک قائم رہی۔ دینی علوم اور امہات کتب، تفسیر و حدیث کا حضرت اقبالؒ نے بہت سرسری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ ان کا اصل مقام عالم کا نہیں شاعر مشرق کا ہے۔ اس مقام سے جب بھی اقبال کو ہٹا کر عالم بنانے کی کوشش کی جائے گی اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ حضرت اقبالؒ نے کبھی عالم دین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، ان کی اصل شان، عظمت، جلالت اور محبوبیت اس کلام کے باعث ہے جو سہیل عمر اور ہماری رگوں میں یکساں طور پر لہو بن کر دوڑتا ہے۔ خطبات کے اغلاط سے جسے علماء کفر الحاد بھی کہتے ہیں اقبال نے رجوع کر لیا تھا اور خطبات کے بعد کی شاعری اس کا ثبوت ہے لہٰذا خطبات کو فکر اقبال کی تفہیم کے لیے بنیادی حوالہ بنانے کی کوشش مناسب نہیں۔ اقبال اکادمی اس معاملے میں احتیاط برتے تو یہ علمی مباحثہ یہیں اختتام پذیر ہو سکتا ہے۔ ذیل میں چند تاریخی حوالوں سے حضرت اقبالؒ کے طالب علم دین ہونے کے ثبوت پیش کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں سردست سلیمان ندویؒ کے خطوط پیش نظر رکھے جائیں۔

[۱] ۱۹۲۲ء میں اقبالؒ نے شیخ الکل سے ابن عربی کے مبحث زبان کا ملخص طلب کیا تا کہ اس کی روشنی میں کتاب پڑھیں۔ یہ ملخص ۱۹۳۳ء تک انھیں مہیا نہیں کیا گیا، اس وقت تک یہ کتاب بھی انھوں نے نہیں پڑھی۔ ۱۹۳۳ء میں سلیمان ندویؒ اور پیر مہر علی سے دوبارہ اس ملخص کی استدعا کی گئی۔ گیارہ سال تک ابن عربی کی فصوص کا مطالعہ کیوں معطل رہا؟ جب کہ اقبال فلسفی تھے اور یہ فلسفیانہ کتاب ہے۔ [۲۲:س:۲۸]

[۲] ۱۹۲۴ء میں اقبالؒ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ منطق استقرائی پر مسلمانوں نے کیا لکھا ہے؟ اس موضوع سے متعلق عربی و فارسی کی بنیادی کتابوں کا بھی انھیں علم نہ تھا۔ البتہ جرمن زبان کی چند کتابوں سے وہ واقف تھے۔ [۲۴:س:۳۰]

[۳] اقبال رویت باری کے مباحث سے آئن اسٹائن کے نظریہ نور کی وضاحت میں دلچسپی رکھتے تھے اور ابو المعالی کے یہاں آئن اسٹائن کی جھلک دیکھتے تھے۔ یہ رویہ کیا مغرب سے مرعوبیت کا شاخسانہ نہیں ہے۔[۲۲:س:۲۵]

[۴] ۱۹۲۱ء میں اقبال کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حکمائے صوفیہ اسلام میں کسی نے زماں و مکاں کی حقیقت پر بحث کی ہے یا نہیں جب کہ اقبالیئین کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے علوم اسلامی اور ادبیات اسلامی کا وسیع مطالعہ فرما لیا تھا۔[۲۱:س:۲۲]

[۵] مجلس خلافت کے قیام کو اقبال مسلمانوں کی نادانی اور لندن کے شیعوں کے اشارے پر ناچنا قرار دیتے تھے۔ اشارہ سر آغا خان کی طرف تھا۔ چودہ سال بعد آغا خان سے زیادہ بہتر مسلمان مغرب زدہ مسلم طبقات میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔[۳۳،۱۹:س:۱۷،۵۰]

[۶] مرید ہندی نے اپنے پیر و مرشد کی مثنوی اور کلیات کبھی شروع سے آخر تک نہیں پڑھے، کسی نے کہا کہ ''ہم چو سبزہ بارہا وئیدہ ام'' رومی کا مصرعہ نہیں تو اس کی تردید نہ کر سکے۔[۱۹:س:۱۵]

[۷] اقبال وجودی تصوف کے مخالف تھے۔ غلو فی الزہد اور مسئلہ وجود کو بدھ مت کے اثرات بتاتے تھے۔ سلسلہ قادریہ میں بیعت کا دعویٰ تھا، تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا ضروری سمجھتے تھے لیکن مغرب کو اسی فلسفے ''الحاد و زندقہ'' کے شیخ اکبرؒ ابن عربی کے ذریعے اسلام کا قائل کرنا چاہتے تھے اور خطبات میں شیخ اکبر کی تعلیمات سے استدلال بھی کیا گیا ہے کیوں؟[۱۷:س:۳]

[۸] اجماع نص قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اقبال کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اسلامی فقہی لٹریچر میں کسی مکتب فکر کی یہ رائے ہے یا نہیں؟ کیوں کہ فقہی سرمایے پر ان کی نظر نہایت سطحی تھی ورنہ اس قدر بنیادی مسئلے سے واقفیت کے بغیر اجتہاد پر کلام کیسے کیا جا سکتا ہے؟[۲۴:س:۳]

[۹] اقبال کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ فقہا نے اجماع کی نص سے تخصیص و تعمیم کب کب اور کہاں کہاں کی ہے، انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ صحابہ نے نص قرآن کے خلاف کوئی فیصلہ نافذ کیا یا نہیں؟ اقبال کو ان مباحث کا بھی علم نہ تھا کہ حدیث ناسخ قرآن ہے یا نہیں یا یہ محض ''لیگل فکشن'' ہے؟[۲۴:س:۳۴]

[۱۰] ۱۹۲۴ء میں ایک خط میں اقبال نے طمطراق سے اغنی دیس کو پڑھ کر علامہ آمدی کی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام'' کے حوالے سے نص کی منسوخی کا سوال اٹھایا، جب پلٹ کر پوچھا گیا کہ کیا آپ نے آمدی کی کتاب پڑھی ہے؟ یہ بحث کہاں ہے تو فوری جواب ملا علامہ آمدی کی کتاب جہاں تک مجھے معلوم ہے یہاں نہیں ہے تو پھر کتاب پڑھے بغیر حوالہ کہاں سے مل گیا؟ ظاہر ہے کسی مستشرق کی کتاب سے بھرپور استفادہ کر کے اپنے علم کا رعب قائم کیا گیا۔[۲۴:س:۳۴،۳۵]

[۱۱] مطالعہ اقبال کی حالت یہ تھی کہ تذکرہ شائع ہوا تو کتاب پڑھے بغیر فرمایا کہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا مفصل ریویو لکھا جائے اس کتاب پر جب ریویو چھپ گیا تو اقرار کیا کہ ''ریویو سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ مغربی افکار پر ان کی نظر نہایت سطحی ہے باقی تفسیر قرآن اور تاریخ اسلام آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ مجھے تذکرہ کا علم اس ریویو سے ہوا، جب کہ اس سے پہلے کتاب کی مدح فرمائی گئی۔ اقبالؒ نے یہ بھی لکھا ان کی کتاب کے متعلق یہاں عجیب وغریب افواہیں ہیں۔ بعض محققین درست کہتے ہیں کہ علامہ اقبال کی فقہ اسلامی سے متعلق اکثر معلومات افواہی یا سنی سنائی اور مستشرقین سے کشید کردہ ہیں۔ اقبال خطوط میں اپنے آپ کو ایک آنکھ والا کہتے ہیں۔ مراد علوم اسلامی سے ناواقفیت ہے۔ [۲۴:س:۳۵، ۳۶]

[۱۲] اقبال کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حضورؐ کسی مسئلے کا جواب دینے میں توقف کیوں فرماتے تھے؟ وحی کا انتظار کیوں کرتے تھے؟ وحی کی عدم موجودگی میں قرآن سے استدلال کیوں کرتے تھے؟ یہ تمام مباحث حدیث وفقہ کی کن کتابوں میں ہیں؟ رسول اللہؐ جو جوابات استدلالات کی بنیاد پر دیتے تھے وہ امت کے لیے حجت ہیں یا نہیں؟ حدیث وقرآن میں کیا فرق ہے؟ علوم اسلامی کی تشکیل نو کا دعویٰ کرنے والوں اور فقہ اسلامی پر اعتراض اٹھا کر اجتہاد کا صور پھونکنے والے تمام دانشوروں کا رویہ حضرت اقبالؒ سے ڈاکٹر منظور احمد تک کم وبیش یہی کیوں ہے؟ فرق یہ ہے کہ اقبال مرد مومن تھے غزالی کی تشکیک کی طرح اس دور سے صیقل ہو کر نکلے تو خطبات سے رجوع کر لیا اور شاعری سے مشرق ومغرب میں آگ لگا دی اور محبوب الٰہی ومحبوب امت مسلمہ بن گئے۔ [۲۶:س:۳۷]

[۱۳] ۱۹۲۶ء تک اقبال رسالہ اجتہاد پر مطمئن نہ تھے لہٰذا اسے شائع کرنے سے احتراز کیا، حالانکہ ۱۹۲۴ء میں لاہور میں یہ خطبہ سنا دیا اس کا ذکر کبھی سلیمان ندویؒ سے نہ کیا۔ اس رسالے کے بارے میں انھوں نے سید سلیمان ندوی سے کئی امور کے متعلق استفسار کیا، لیکن سلیمان ندویؒ کے خطوط میں ان استفسارات اور رسالہ اجتہاد کے بارے میں سوالات کا مختصر ذکر ملتا ہے۔ اختر راہی کا خیال ہے کہ اقبال نے رسالہ اجتہاد ماجد صاحب کو بھیجا تھا، سلیمان ندویؒ کو نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خطبات کے بارے میں بہت سے استفسارات اقبالؒ نے کسی اور ذریعے سے بھی کیے یا سلیمان ندویؒ نے وہ خطوط محفوظ نہیں رکھے۔ [۲۶:س:۳۸]

[۱۴] اقبال علم میراث کے اصول ومبادی سے بھی ناواقف تھے۔ [۲۶:س:۳۸]

[۱۵] اقبال شریعت احادیث کے بھی قائل نہ تھے۔ گولٹ تسیھر سے شدید متاثر تھے۔ اسلام کا مطالعہ مغربی جورس پروڈنس کی روشنی میں کرنا چاہتے تھے، عورت کے آدھے حصے کو عین انصاف سمجھتے تھے یعنی معتزلہ کے تصور عدل سے متاثر تھے۔ [شارع کا حکم نہیں نصوص صریحہ نہیں۔ احکام کو تسلیم کرنے کی بنیاد عقلی نہیں ہے نقلی ہے، شارع کا حکم ہے لہٰذا سوال کی اجازت نہیں، عقلی استدلال کم سطح کی عقل کے لیے قابل قبول ہوسکتا

ہے، سب کے لیے نہیں۔] اور اگر عورت کو مرد کے مساوی حصہ میراث میں ملتا تو اسے خلاف انصاف جانتے تھے لیکن انھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ عورت اور مرد یعنی ماں باپ کو قرآن نے [نعوذ باللہ خلاف انصاف] برابر حصہ بھی دیا ہے، بعض محققین کی تحقیق کے مطابق میراث کی بیس حالتوں میں سے صرف چار حالتیں ایسی ہیں جن میں عورت کی میراث مرد سے نصف اس کے سوا باقی حالتوں میں عورت کی میراث مرد کے برابر، کسی میں اس سے زیادہ اور کسی میں صرف وہی وارث قرار پاتی ہے۔ [۲۶:س:۳۹]

[۱۶] اقبال کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین قرار قرار دیا تھا یا طلاق کے متعلق مجلس قائم کی تھی۔ وہ پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت عمرؓ کو طلاق کے متعلق مجلس قائم کرنے کا اختیار تھا؟ انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ امام شخص واحد ہے یا جماعت بھی امام کا قائم مقام۔ انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اسلام میں قومی ریاستوں کا وجود جائز ہے یا نہیں اور خلافت اسلامیہ خلیفہ واحد کے تحت ہو یا ہر شخص اپنے آپ کو قومی ریاستوں کا خلیفہ قرار دے لے۔ [۲۶:س:۳۹]

[۱۷] اقبال منصوبے بنانے میں کمال رکھتے تھے۔ صوفی تبسم کو لکھتے ہیں کہ میں ایک کتاب Islam as I understand لکھوں گا۔ ایک اور جگہ تصوف پر کتاب لکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں پھر ایک جگہ فقہ اسلامی پر کتاب لکھنے کا منصوبہ بیان کرتے ہیں۔ ایک جگہ ''زمان کی حقیقت فلسفہ اسلام کی تاریخ'' میں لکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس دعوے کے ساتھ ۱۹۳۳ء تک ابن عربی کی کتاب کے مطالعے سے محروم رہتے ہیں، پھر ابن قیمؒ کی کتاب طرق الحکمیہ اور ''المقابلات'' پر لکھنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں جب کہ ۱۹۳۴ء تک انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ''اعلام الموقعین'' ابن قیمؒ کی کتاب ہے اور اہم فقہی مباحث کو محیط ہے وہ تو اتفاقاً مسعود عالم ندوی کے ذریعے انھیں کتاب ملی تو باغ باغ ہوگئے، پھر قرآن پر کتاب لکھنے کا ارادہ فرمالیا پھر تمہید القرآن کے نام سے کتاب لکھ رہے تھے، ۳۲ میں دی ماڈرن ورلڈ آف اسلام لکھنا چاہتے تھے، پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کرسکتا، فی الحال آپ کی مدد سے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ خرم علی شفیق کے نقطۂ نظر سے یہ دعوے اقبال کے بحر علم کا ثبوت ہیں۔ [۲۶:س:۳۹]

[۱۸] اقبال کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حدیث ''لاتسبوا الدھر'' بخاری میں ہے یا مسلم میں انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حکمائے اسلام میں کس کس نے زمان کو خدا ماننے کا مذہب اختیار کیا، انھیں یہ بھی پتہ نہ تھا کہ عربی فارسی کی کن کتابوں میں یہ مباحث ملیں گے۔ [۲۸:س:۴۱]

[۱۹] ۱۹۲۲ء میں کہتے ہیں کہ مولوی نور الحق سے مباحث مشرقیہ دیکھ رہا ہوں، ۱۹۲۸ء میں فرماتے ہیں کہ مباحث شرقیہ لاہور میں دستیاب نہیں ہوسکتی، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ زمان کے متعلق امام رازی کے خیالات کا خلاصہ قلم بند فرما کر مجھے ارشاد کردیں۔ اقبال کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ۱۹۲۲ء میں وہ کتاب پڑھ رہے تھے۔

کتاب ان کے پاس تھی اب کتاب لاہور سے غائب ہوگئی اور مولوی نور الحق سے جو کچھ پڑھا تھا یا تو وہ سمجھ میں نہیں آیا یا سب بھول گئے۔ [۲۲:س:۴۸، ۴۲] جرمنی سے عربی میں پی ایچ ڈی اقبال ادبیات اسلامی کے سمندر کو پی لینے والی فلسفی اور علوم اسلامیہ کے نباض ۱۹۲۲ء میں ایک مولوی کی مدد سے مباحث مشرقیہ پڑھ رہے تھے اور ۱۹۲۲ء میں عضد الدین یحییٰ کی کتاب ''مواقف'' کی شرح مولفہ شریف جرجانی ''شرح مواقف'' پڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے جو مدارس عربیہ کے عام طالب علم پڑھ لیتے ہیں [نصاب میں شامل ہے] ۱۹۲۲ء میں کلامی مسائل اور اجتہاد پر غیر علمی تحریریں لکھتے ہیں، اسلام کی تشریح و تعبیر نو کی کوشش استطاعت سے بڑھ کر کرتے ہیں لیکن فقہ کلام تفسیر و حدیث کی بنیادی کتابوں، بنیادی مباحث سے لاعلم رہتے ہیں۔ اقبال نے شرح مواقف ۱۹۳۳ء میں پڑھی آخر عمر میں۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ اقبال طالب علم تھے عالم نہ تھے لہٰذا ان کو ان کے اصل مقام پر رکھا جائے۔ اقبال اکادمی یا سہیل عمر اقبال کو اس مقام سے بلند کرنا چاہیں گے تو انھیں تاریخ کا چہرہ دیکھنا ہوگا۔ یہ چہرہ یقیناً ماہرین اقبالیات کے لیے غیر مانوس ہے اور تاریخ کے گرد و غبار سے برآمد ہوا ہے۔ [۲۲، ۳۳:س:۲۸، ۴۸]

[۲۰] ۱۹۲۹ء میں فرماتے ہیں کہ لکچروں کا اردو میں ترجمہ کیا جائے گا۔ ۱۹۲۵ء میں فرماتے ہیں کہ ترجمہ ہوگیا ہے طباعت کے لیے جا رہا ہے۔ ۱۹۲۷ء میں ارشاد ہوتا ہے ترجمہ کا فائدہ نہیں ہوگا اس کے مباحث مشکل ہیں کون سا بیان درست ہے؟ [۲۹:س:۴۳]

[۲۱] ۱۹۲۶ء میں مژدہ سناتے ہیں کہ آکسفورڈ خطبات چھاپ رہا ہے اور ۱۹۲۹ء میں حد اور سرقے سے متعلق خطبہ اجتہاد کے سلسلے میں صلاح و مشورے بھی جاری رہتے ہیں۔ [۳۰:س:۴۴، ۴۵، ۴۶]

[۲۲] ۱۹۳۳ء تک اقبال کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ فتوحات یا دیگر کتابوں میں ابن عربی نے حقیقت زمان پر کہاں کہاں بحث کی ہے [یہ مطالعے و معلومات کا عالم تھا] یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اسلامی تاریخ میں کسی اور بزرگ نے بھی اس مضمون پر بحث کی ہے یا نہیں؟ یہ بھی معلوم نہ تھا کہ متکلمین کے نقطہ خیال سے حقیقت زمان یا آن سیال پر مدلل بحث کس کتاب میں ملے گی؟ ۱۹۲۲ء میں مباحث مشرقیہ مولوی نور الحق سے پڑھ رہے تھے لیکن ۱۹۳۳ء میں فرماتے ہیں کہ مباحث مشرقیہ آج کل دیکھ رہا ہوں انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ہندوستان کے بڑے بڑے اشاعرہ کون ہیں؟ وہ ملا محمود جونپوری کے سوا کسی ہندوستانی مسلمان فلسفی کو نہیں جانتے تھے، ان مسلم فلاسفہ ہند کی کتابیں تو درکنار ان کے ناموں سے بھی اقبال آگاہ نہ تھے اور یہ ان کا آخری زمانہ ہے۔ یہی حال ان کا مغربی فلسفے میں بھی تھا، ہزرل اور ہائیڈیگر کا ان کے یہاں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ جب کہ یہ دونوں اہم ترین فلاسفہ تھے اور فنا مالوجی کا اثر آج تک فلسفے پر موجود ہے اور ہائیڈیگر کو کنگ آف فلاسفر تسلیم کیا گیا ہے۔ اقبال مغربی فلسفے سے دلچسپی رکھتے تھے اور اسلامی فلسفے پر ان کا تمام علم مستشرقین کی کتابوں تک محدود و محصور تھا۔ اسلامی

علوم سے واقفیت کا اعتراف کرتے تھے اور خود کو طالب علم سمجھتے عالم دین نہ سمجھتے تھے۔[۳۳:س:۴۸]

[۲۳] ۸/اگست ۱۹۳۳ء کو استاذ الکل کو لکھتے ہیں کہ ابن عربی کے زمان و مکان کے مسئلے پر تلخیص جلد دی جائے۔ اسی تاریخ کو سید مہر علی کو لکھتے ہیں کہ تلخیص جلد از جلد دیجیے لندن میں خطبہ دینا ہے۔ ۱۸/نومبر کو شیخ الکل کو پھر لکھتے ہیں کہ تلخیص دیجیے اس کی ضرورت پڑے گی۔ زمان کی حقیقت فلسفہ اسلام میں مضمون لکھ رہے ہیں اور گیارہ سال میں ابن عربی کا مطالعہ بھی نہ کر سکے۔ اب اس موضوع پر لندن میں خطبہ دینے جا رہے ہیں لیکن مہر علی اور سلیمان ندوی کے ملخص سے علم کا دریا بہائیں گے، اقبال کے دینی علوم کے دریا اسی طرح بہتے تھے۔ یہ ملت سے ان کی محبت تھی کہ دفاع اسلام اور مغرب سے مقابلے کے لیے کم علمی کے باوجود علماء سے استفادہ کر کے مغرب سے مکالمہ فرماتے تھے۔ لیکن اس خدمت دین کے باعث اقبال کو صف علماء میں شامل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کے اجتہادات علماء کے لیے کسی دقعت کے حامل ہیں۔ اب تو وہ ان سے رجوع کر چکے لہٰذا یہ باب بند ہو گیا ہے۔[۳۳:س:۴۷،۵۸]

[۲۴] ۱۹۳۳ء میں سلیمان ندویؒ کو لکھتے ہیں کہ یورپ والے سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی فلسفیانہ روایت نہیں ہے، لہٰذا دارالمصنفین اس خیال کی تردید کے لیے ہندوستان کے حکمائے اسلام پر ایک کتاب لکھے، [یہ ان کا خاص انداز تھا کسی کو کتاب لکھنے کی ہدایت کرتے یا خود کتابیں لکھنے کا ارادہ فرما لیتے، ان ارادوں کی بنیاد پر سہیل عمر نے اقبال کو علوم اسلامی کا شناور، غواص تسلیم فرمایا ہے] مسئلہ یورپ والوں کا نہیں علامہ اقبال کا بھی یہی ہے۔ وہ ہندوستان کے مسلم فلاسفہ کے نام اور کام سے ناواقف تھے، کیونکہ انھیں یورپی کتابوں میں ان فلاسفہ کے بارے میں کچھ نہ ملا، بعد میں سلیمان ندوی نے کچھ فلاسفہ کا ذکر کیا تو ادھر سے ادھر پوچھ کر ان کی کتابوں کے نام معلوم کر لیے اور سلیمان ندوی سے یہ کتابیں طلب فرمانے لگے۔ اقبال کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ حکیم برکات احمد کا رسالہ طبع ہو چکا ہے، ان کی تمام معلومات سماعی تھیں جو وہ مختلف علماء سے حاصل کر کے اپنے علمی جلال کو قائم رکھتے تھے۔ سہیل عمر کے پسندیدہ الفاظ میں ''وہ بافندگان حرف و حکایت تھے، حکایت بیک وقت استناد کا دعویٰ بھی کرتی تھی اور زور استدلال سے زیر کرنے کی سعی بھی ہندوستان کے مولویوں علماء کرام کا علم اور اقبال کے علم کا تقابل کیا جائے تو سہیل عمر کے خوبصورت الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ جو خاک عشق کی آشفتگی سے صحرا بنتی ہے وہ پھیلتی ہے اور جب سمندر کی موج اقبال کے اپنے کندھے پر ٹوٹتی ہے تو اس وقت بھی موج ہی رہتی ہے ساحل نہیں بن جاتی۔''، علمی دلچسپی اور طالب علمانہ ذوق کے باعث وہ مختلف علماء سے استفادہ کر کے اس طرح کے سوالات کرتے تھے کہ فلاں رسالہ کس زبان میں ہے، قلمی ہے یا مطبوعہ ہے اس رسالے کا زمانہ کیا ہے، فلاں کتب خانے میں فلاں کتاب ہے کیا مل سکتی ہے، منگوا دیجیے نہ ملے تو فلاں صاحب کو لے جائیے وہ پڑھ کر مجھے بتا دیں، کتاب نہ لائیں

فلاں صاحب کتاب پڑھ لیں مجھے تلخیص لکھ دیں، میرے پاس فرصت نہیں کہ ایسی بے کار کتابیں پڑھوں جو شخص علوم اسلامی پر نقد کا ارادہ رکھتا ہے اور آخری زمانے تک ابن عربی کی کتابوں کے مطالعے سے محروم رہتا ہے۔اسے اقبال اکادمی والے جبراً عالم دین کی سند پر فائز کرنا چاہتے ہیں۔اقبال ایک مردمومن اور خودآگاہ شخص تھے اسی لیے اس مردمومن نے احساس ندامت کے تحت خطبات کے مباحث سے رجوع کیا۔اکادمی کو ان کا رجوع کھل رہا ہے تو وہ صرف یہ ثابت کر دیں کہ اقبال کو عربی آتی تھی اور وہ بنیادی فقہی کتابوں اور مسائل سے واقف تھے۔[۳۳:س:۴۸، ۵۹، ۶۰]

[۲۵] اقبال جو فقہ اسلامی کی ترتیب وتدوین کا علم لے کر اٹھتے تھے انھیں امتناع متعہ سے متعلق مباحث اسلامیہ کا بھی علم نہ تھا، اپنی زندگی کے اختتام تک وہ اس قسم کے بنیادی سوالات استاذ الکل سے پوچھتے رہے۔[۳۴:س:۶۳]

[۲۶] اقبال قرآن سے اخذ دین کا ادعا رکھتے تھے لیکن ۱۹۳۲ء میں ان کا خیال تھا کہ زمین کا مالک کوئی فرد نہیں ہوسکتا یہ خیال آخر تک قائم رہا، جب کہ قرآن کا ادنیٰ طالب علم بھی قرآن سے ایسا خیال درآمد نہیں کرسکتا۔اسلامی تاریخ اور تعامل امت ملکیت زمین کے بارے میں واضح ہیں، خود اقبال بھی ملکیت کے قائل تھے، اس لیے جاوید منزل جاوید کے لیے تیار فرمائی، ملکیت کے کاغذات بھی مکمل کیے، انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اسلامی فقہا کا مذہب ملکیت زمین کے بارے میں کیا ہے؟ انھیں صدقے اور خیرات کا فرق تک معلوم نہ تھا۔انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کون سا نبی بالہمزہ ہے اور کون سا بغیر ہمزہ کے، وہ جرمنی سے عربی میں پی ایچ ڈی تھے اور سہیل عمر کے بقول وہ یورپ و جرمنی میں قدیم مخطوطات کے پارکھ رہے لیکن انھیں نارونجات کا روٹ تک معلوم نہ تھا۔انھیں یہ بھی پتہ نہ تھا کہ فقہ اسلامی کی رو سے توہین رسالت قابل تعزیر جرم ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو اس کی تعزیر کیا ہے؟ انھیں توہین رسالت کے فقہی ذخیرے سے بھی واقفیت نہ تھی، سلیمان ندوی سے پوچھتے ہیں کہ کتب فقہ میں توہین رسالت کی مثالیں ہوں تو نقل کر کے صفحے نمبر کے ساتھ ارسال کریں۔[۳۴:س:۶۴، ۶۵] انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ شاتم رسول کی سزا اسلام میں کیا ہے؟ شتم رسول پر لکھی گئی ایک کتاب سے بھی وہ واقف نہ تھے اور اسی زمانے میں اسلام کے قانون پر حمید اللہ خان کی فرمائش پر کتاب لکھ رہے تھے، یہ بھی محض دعویٰ تھا جس طرح کئی کتابوں کے اعلانات فرما چکے تھے۔[۳۴:س:۶۳]

[۲۷] اقبال نے سلیمان کو لکھا کہ وہ اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھتے فن شاعری سے انھیں دلچسپی نہیں جب کہ سلیمان ندوی انھیں صرف شاعر سمجھتے تھے، ان کی نثر اور فلسفے سے سلیمان کو کوئی دلچسپی نہ تھی یہی وجہ ہے کہ جب انھوں نے ڈاکٹر اقبال کا علم کلام نامی مقالہ لکھا تو خطبات یا نثر اقبال کے ذخیرے سے ایک سطر کا حوالہ دینا بھی درست نہ سمجھا، صرف شاعری کے حوالے دیئے یعنی اقبال اپنے آپ کو فلسفی عالم مفکر مجتہد سمجھتے تھے

جب کہ سلیمان ندویؒ انھیں صرف شاعر سمجھتے تھے اس کی قدر و اعتراف کرتے تھے، ان سے محبت رکھتے تھے یہی ایک شریفانہ طریقہ کار تھا۔ [۳۵:س:۶۷]

[۲۸] اقبال کو نزول مسیح کے مباحث سے گہرے مطالعے کے بغیر بے حد دلچسپی تھی، آخر زمانے تک اس اہم مسئلے پر ان کا مطالعہ واجبی بھی نہیں تھا، وہ استفسار کرتے ہیں کہ معتزلہ کا مذہب اس سلسلے میں کیا ہے؟ کیا کوئی ایسا عالم گزرا ہے جو اس مسئلے کا منکر ہو [انقلابی خیالات [خصوصاً زمین کے سلسلے میں] رکھنے کے باوجود انھوں نے ابن حزم کا مطالعہ تک نہیں کیا۔ [۳۵:س:۶۸]

[۲۹] اقبال کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ قوانین اسلام سے متعلق اہم کتابوں کے نام کیا ہیں اور یہ کتابیں کہاں کہاں سے دستیاب ہوسکتیں ہیں۔ انھوں نے صوفیاء کی کتابوں کا نہایت واجبی سرسری مطالعہ کیا تھا۔ ۱۹۱۵ء میں خواجہ حسن نظامی و دیگر سے تصوف کے بارے میں بہت کچھ علمی حوالے خط و کتابت سے حاصل کیے، لیکن ۱۹۳۶ء تک انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ''بروز'' پر صوفیاء کی کتب میں مباحث ہیں یا نہیں؟ [۳۶:س:۷۰]

[۳۰] اقبال کا تمام علمی رعب الحمدللہ مولویوں کے دم قدم سے تھا، مولویوں کے بغیر کسی کی گاڑی نہیں چل سکتی نہ زندگی میں نہ مرنے کے بعد، مرنے کے بعد تو بالکل بھی نہیں لیکن زندگی میں بھی قدم قدم پر مولوی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اقبال جیسے عالم کو بھی جرمنی سے عربی میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد ایک معمولی مدرسے کے مولوی نورالحق سے مباحث مشرقیہ سبقاً سبقاً پڑھنے پڑے، آخر عمر تک وہ کرائے پر کسی مولوی کی تلاش کرتے رہے جس کے علم سے اپنی علمی کمی دور کرسکیں۔ افسوس کہ کسی مولوی نے یہ نوکری قبول نہیں کی۔ اقبال کو اس پر تاسف نہیں فخر تھا وہ علماء سے استفادہ اور ان کی تقلید کو باعث نجات سمجھتے تھے، علماء سے ان کی محبت کسی شک وشبہ سے بالا ہے۔ وہ قرآن کے سچے مردمومن تھے۔ ایسے مومن جس کا دل امت کے غم میں خون کے آنسو روتا تھا جو بادصباء کے پہلے جھونکے کے ساتھ جاگ جاتا اور مصلے پر روتے روتے رات گزارتا جس کا نالہ نیم شبی اور آہ سحر گاہی اس امت کے لیے حدی خوانی کا درجہ رکھتی تھی جس کا دل خاتم النبین کی محبت میں دھڑکتا تھا اور جس کی آرزو تھی کہ وہ مدینہ کی خاک میں آخری سانس لیں۔ وہ علماء سے جس طرح استفادہ فرماتے تھے ایسا استفادہ انھوں نے کسی بے دین، ملحد، یا لادین اہل علم سے نہیں کیا۔ اقبال کی شخصیت دولخت نہیں یک لخت، یہ شخصیت قرآن وسنت کے سانچے سے ڈھل کر نکلتی۔ اسلامی تاریخ سے ابھرتی اور اسلامی تاریخ وتہذیب تمدن کی میراث بن جاتی ہے، اس میراث کو خطبات کے متروکات کے ذریعے منہدم کرنے کی کوشش مناسب نہیں۔ اقبال علماء کے خادم تھے دین کے سپاہی تھے، انھیں خطبات کے ذریعے دین، علماء اور امت کی روایت سے الگ کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔